فلسفہ اور تصوف (اندلس و شمالی افریقہ میں) ابن عربی کے استاد (ابن رشد) وغیرہ کے ہم عصر لوگ تھے۔ ابن طفیل

شیخ ابوالحسن شاذلی

ڈاکٹر جمال الدین ایشال
مشیر ثقافت سفارت جمہوریہ متحدہ عربیہ مقیم رباط۔ مراکش

شیخ ابوالحسن شاذلی کبار صوفیہ میں سے ایک ممتاز صوفی اور اُن کے قطبوں میں سے ایک قطب تھے۔ وہ مغربِ اقصیٰ (مراکش) میں پیدا ہوئے اور عمر کا ایک بڑا حصہ انہوں نے ٹیونس اور مصر میں گزارا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی نے اپنا ایک عظیم مکتب تصوف قائم کیا جس کے متبعین اور مریدین اب تک دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مکتب تصوّف سے بہت سے طریقے نکلے جو سب فرقہ شاذلیہ کی طرف منسوب ہیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلی مغربِ اقصیٰ کے شہر سبتہ کے قریب ایک گاؤں غمارہ میں ۵۹۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور اُن کا پورا نام نورالدین ابوالحسن علی بن عبدالجبار ابن یوسف تھا۔ وہ قبیلہ عموان میں سے تھے، جو مغربِ اقصیٰ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اسی قبیلے میں سے مشہور ولی اللہ سیدی عبدالرحیم القنائی ہیں۔ ان کا مزار مصر کے شہر قنا میں ہے۔ شیخ شاذلی کی ابتدائی زندگی غمارہ گاؤں میں گزری۔ وہیں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، اور قرآن حفظ کیا۔ پھر ان کا مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہوا

اور اس کے لئے وہ تونس آئے۔ اگرچہ مغربِ اقصیٰ کے کئی بڑے شہر جیسے سبتہ، مراکش، اور فاس قریب تھے، لیکن انہوں نے اُن کی بجائے تونس کا قصد کیا۔ اور اس کی وجہ وہ سیاسی و علمی حالات تھے جن سے اُس وقت مغربِ اقصیٰ اور بالعموم عالمِ اسلامی گزر رہا تھا۔

عالمِ اسلام میں چوتھی صدی [illegible] میں شیعی مذہب کو کافی کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور اس کے عروج سے دو بڑی شیعہ سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں، جن کا عالمِ اسلام کے مشرق اور مغرب دو حصوں میں غلبہ تھا۔ مغرب میں تو فاطمی سلطنت تھی، جس کے ماتحت تمام بلادِ مغرب، مصر، یمن، حجاز اور شام تھے۔ اور مشرق میں بویہیہ سلطنت تھی اور وہ عراق پر قابض تھی جو دولتِ عباسی کا مرکز تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں شیعہ مذہب کے اس غلبہ کے خلاف بڑا سخت ردِّ عمل ہوا۔ اور فاطمیہ اور بویہیہ سلطنتوں کے ضعف کے ساتھ سُنّی مذہب از سرِ نو قوت پکڑنے لگا۔ چنانچہ بہت سی سُنّی حکومتیں وجود میں آئیں جن کے پیشِ نظر ہر جگہ سے شیعہ سلطنتوں اور شیعہ مذہب کو ختم کرنا تھا۔

مشرق میں سلجوقیوں اور اتابکوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ مصر اور شام میں ایوبی اور ممالیک برسرِ اقتدار آگئے اور مغرب اور اندلس میں موحدین کی سلطنت معرضِ وجود میں آئی۔ ان سُنّی سلطنتوں کے بعض فرمانروا سنّی مذہب کی حمایت میں حد سے زیادہ غلو رکھتے تھے اور وہ ہر فکری تحریک اور ہر فلسفیانہ رائے کو شیعہ مذہب کی طرف واپس جانے کا رجحان سمجھتے تھے۔ کیونکہ شیعہ مذہب میں فلسفہ اور پہلوؤں کے علوم پڑھے جاتے تھے اور وہ ان سے بہت حد تک متاثر بھی تھا۔

اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عالمِ اسلام بہت سی سلطنتوں میں بٹ گیا۔ اور یہ سلطنتیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہو گئیں، اسی زمانے میں عالمِ اسلامی کمزور ہوا اور مسیحی یورپ کو شام میں صلیبیوں کے ذریعہ داخل ہونے کی جرأت ہوئی اور اندلس میں چھوٹی چھوٹی قائم شدہ مسلمان حکومتوں کو ختم کر کے عیسائیوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کا

سلسلہ شروع کیا۔

اس عجیب و غریب فضا میں روحانی زندگی کو فروغ ہوا، تصوف کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور بڑی کثرت سے صوفیا پیدا ہوئے۔ بات یہ ہوئی کہ اسلامی معاشرے کے باہر سے حملہ آوروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو عاجز پایا تو مسلمان اس عظیم قوت کی تلاش میں لگ گئے، جس میں اُن کو اپنی اس مصیبت میں پناہ مل جائے اور اس کے دامن سے وابستہ ہو کر وہ نفسی اطمینان حاصل کر سکیں۔ چنانچہ وہ تدین (دین داری) کی طرف مائل ہوئے اور اس میں بہت آگے بڑھ گئے اور اسی طرح عبادت اور زہد میں بھی۔ اور اِن سب سے ان کا مقصد روح کا سکون حاصل کرنا اور پریشانی اور قلق و اضطراب کے عوامل کو جو انہیں گھیرے ہوئے تھے، اللہ کی بارگاہ میں پہنچ کر بھلانا تھا۔ اسی وجہ سے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں صوفیانہ سرگرمیوں کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ان دو صدیوں میں صوفیا، دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک تو وہ تھے جو خالص روحانی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور دوسرے وہ جنہوں نے تصوف کو فلسفہ سے اور روحانیت کو فکر سے مخلوط کر دیا۔ شیخ شاذلی کے زمانے میں مغرب میں تصوف کے یہ دونوں مکتب بروئے کار تھے۔

مغربِ اقصیٰ کے شہر فاس میں چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ایک بہت بڑے صوفی شیخ ابو یَعزیٰ بن یلنّور تھے۔ اور مغرب اور اندلس کے ہر حصے سے لوگ اُن کا رُخ کرتے تھے۔ وہ ان سے استفادہ کرتے۔ ان کے ارشادات سنتے اور اُن سے خیر و برکت حاصل کرتے۔ شیخ ابو یُعزیٰ کے پاس آنے والوں میں ایک بزرگ قطب غوث ابو مَدیَن تلمسانی تھے۔ وہ شیخ ابو یعزیٰ کے پاس کئی سال رہے اور روزوں، نمازوں، زہد و تقشف اور عبادت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر اُن کا طریقہ اخذ کرتے رہے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے مرشد ابو یعزیٰ کی روحانیت سے فیض حاصل کر لیا تو وہ شرق کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں کے مشائخ تصوف سے بھی اخذِ فیض کریں۔ خاص طور سے شیخ عبدالقادر جیلانی سے جو عراق کے اس زمانے میں قطب تھے۔

اس سفر کے بعد ابو مَدین مغرب واپس آئے اور بجایہ میں انہوں نے اقامت اختیار کی

اُن کی شہرت اپنے مرشد ابو یعزی سے بھی بڑھ گئی اور لوگوں نے انہیں غوث کا لقب دیا۔ شیخ ابو مدین کے سامنے کئی بڑے بڑے علماء نے زانوئے تلمذ طے کیا، جن میں سب سے پیش پیش مشہور فیلسوف صوفی محی الدین عربی اور شیخ ابوعبداللہ محمد بن حرازم تھے، آخر الذکر شیخ شاذلی کے مرشدوں میں سے ہیں۔

اس وقت مغرب میں موحدین کی سلطنت قائم تھی۔ اُن کے بعض فرمانروا تو فکری زندگی کا خیال رکھنے والے اور علماء اور مفکرین کی حوصلہ افزائی کرنے والے تھے اور ان میں سے بعض بڑے خشک اور اصحاب فکر اور فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والوں پر سختی کرنے والے تھے۔ پہلے گروہ کے حکمرانوں میں ایک خلیفہ موحدی ابو یعقوب یوسف بن عبدالمؤمن ہیں۔ یہ وسیع الفکر، محب العلم اور علماء کے اور بالخصوص فلسفیوں کے دوست تھے، انہوں نے ان میں سے ایک کافی تعداد کو اپنا مقرب بنایا۔ ان کے دربار میں مغربی فلسفی ابن طفیل تھے، اور وہ اُن فلسفیوں میں سے ہیں جنہوں نے فلسفہ اور تصوف میں امتزاج پیدا کیا۔ ابن طفیل ہی مشہور قصہ حی بن یقظان کے مصنف ہیں، جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ عقل اور شریعت آخر میں دونوں ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اور یہ ابن طفیل ہی تھے، جنہوں نے اپنے دوست فلسفی ابن رشد کو خلیفہ مذکور کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے ابن رشد کا خیر مقدم کیا، اُسے اپنا مقرب بنایا اور اشبیلیہ کا قاضی مقرر کیا۔

لیکن مغرب اقصیٰ کے مسلم معاشرے نے اُس وقت خلیفہ موحدی ابو یعقوب کی یہ پالیسی پسند نہ کی۔ کیونکہ سُنی ردعمل بڑا مؤثر اور قوی تھا۔ سنی معاشرہ اس معاملے میں بڑا سخت تھا اور فلسفہ اور فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والوں کو ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ مذکور کے بیٹے اور اس کے جانشین خلیفہ ابو یوسف یعقوب نے لوگوں کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اور علماء، فلسفیوں اور اصحاب فکر پر سختی کی۔ اور اُس کے عہد حکومت میں ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی کے دور اقتدار میں ابن رشد پر زندیقی کا الزام لگا اور ۵۹۱ھ میں اُس پر مقدمہ چلا۔ اسی طرح

عظیم فلسفی ابو مدین سختیوں کا نشانہ بنے۔ خلیفہ نے انہیں بجایہ سے ان پر مقدمہ چلانے کے لئے بلوایا اور وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے لائے گئے۔ جب وہ تلمسانی پہنچے، بیمار ہوئے اور ۵۹۴ھ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

اس فضا نے جہاں فکر کی تنگی تھی اور گھٹن، سختی اور دار وگیر کا عمل دخل تھا، اصحابِ فکر و فلسفہ وتصوف میں سے بہتوں کو مغربِ اقصیٰ چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ ان میں سے سب سے مقدم شیخ محی الدین ابن عربی تھے۔ انہوں نے اندلس اور مغرب کو ۵۹۸ھ میں جب کہ وہ فلسفہ میں اپنے استاد ابن رشد اور تصوف میں اپنے مرشد ابو مدین کے حشر دیکھ چکے، ترک کیا۔ ان حالات میں یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ شیخ شاذلی مغرب اقصیٰ کے بڑے شہروں سے مُنہ موڑ لیتے، تیونس میں علوم کی تکمیل کے لئے وہاں کا رُخ کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اقصیٰ کے مقابلے میں ٹیونس کی فضا بہتر تھی اور ایک حد تک وہاں آزادیٔ فکر و درس تھی۔ ٹیونس میں اس وقت کئی بڑے بڑے صوفی تھے۔ مثال کے طور پر شیخ محمد صالح بن بنصار، شیخ ابو محمد مھدوی اور شیخ ابوسعید الباجی، یہ سب غوث ابو مدین کے مرید تھے۔ شیخ شاذلی کو جب وہ ٹیونس میں علم حاصل کر رہے تھے، اِن عظیم بزرگوں کا زمانہ ملا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شاذلی کی ان سے ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ ان کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ طے کیا ہوگا اور ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ اس زمانے میں ٹیونس کی فضا ابو مدین اور اُن کی روحانیت کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ اور وہاں ان کے یہ سارے مرید تھے، جو ان کے طریقے پر عمل پیرا تھے، شاذلی اس فضا سے بہت زیادہ متأثر ہوئے اور اسی وقت سے تصوف اور صوفیہ کی زندگی سے انہیں شغف ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے ابوعبداللہ بن حرازم سے جو ابو مدین کے شاگرد تھے طریقت اخذ کی اور ان کے ہاتھوں سے خرقۂ تصوّف پہنا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی اپنے گاؤں غمارہ سے ۶۰۲ھ کے قریب ٹیونس گئے۔ اُس وقت ان کی عمر دس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہاں انہوں نے تعلیم شروع کی۔ ٹیونس

کے علماء سے فقہ مالکی اور علوم لغت، ادب، نحو اور صرف اور علوم دین تفسیر، حدیث اور کلام پڑھے۔ وہ اُس وقت تک ان حلقہ ہائے درس میں بیٹھے، جب تک کہ وہ ان سب علوم میں ماہر نہیں ہوئے۔ بعد ازاں تصوّف نے انہیں کھینچا۔ اور وہ صوفیہ کی صحبت میں بیٹھے۔ سب سے پہلے جیسا کہ اوپر ذکر ہؤا، انہوں نے ابوعبداللہ محمد بن حرازم کے ہاتھ سے خرقہ پہنا۔

یہ فضا تھی جس کے اطراف واکناف میں ایک طرف ابن رشد، ابن طفیل اور ابن عربی جیسے فلسفیوں کے افکار و آراء گونج رہے تھے۔ اور دوسری طرف اس کی وسعتوں میں قطب و غوث ابومدین، ابوعبداللہ بن حرازم اور ابوسعید الباجی جیسے صوفیہ کی روحانیت موجزن تھی، اس فضا میں جہاں علم اور فکری آزادی کی قوتیں رجعیت اور سُنّی سخت گیری کی قوتوں سے نبرد آزما تھیں۔ ابوالحسن شاذلی کی شروع میں نشوونما ہوئی اور انہوں نے ابتدائی علوم حاصل کئے۔ لیکن جیسے ہی وہ جوانی کو پہنچے، انہوں نے محسوس کیا کہ اُن کی تشنگی دُور نہیں ہوئی اور علم اور معرفت کی ان کو جو پیاس تھی وہ نہیں بجھی۔ چنانچہ انہوں نے مشرق کی سیاحت کا قصد کیا تاکہ پہلے تو وہ فریضۂ حج ادا کریں اور مدینہ طیبہ اور روضہ نبوی کی زیارت کریں، پھر مشرق کے شیوخ سے تکمیل علوم کریں۔

ایک ہی پیڑی میں ابن عربی، ابن رشد اور ابن طفیل ؟

ہم معین طور پر نہیں جانتے کہ شیخ شاذلی نے مشرق کی طرف اپنا پہلا سفر کب کیا لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ اس کی ابتداء ۶۱۵ھ کے قریب ہوئی، جب کہ ان کی عمر بائیس ۲۲ سال کی تھی، کیونکہ اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہم سنتے ہیں کہ وہ اپنے شیخ ابوالفتح واسطی سے عراق میں ۶۱۸ھ میں ملے۔

شیخ شاذلی نے اپنی اس سیاحت کی ابتدا یوں کی۔ سب سے پہلے وہ اسکندریہ پہنچے اور مصر سے گزر کر حجاز میں داخل ہوئے اور فریضۂ حج ادا کیا۔ پھر وہ فلسطین، شام اور عراق گئے۔ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کے علماء اور فقہاء کی خدمت میں پہنچتے ان سے اخذِ علم کرتے اور ان کے حلقے میں بیٹھ کر سماعت کرتے۔ اس سلسلے میں وہ

زیادہ تر عابدوں، زاہدوں اور صوفیوں سے ملتے۔ اس سیاحت کے دوران وہ سب سے زیادہ شیخ ابوالفتح واسطی سے متأثر ہوئے، جو شیخ احمد الرفاعی[1] کے سب سے بڑے مرید تھے۔ شیخ ابوالفتح واسطی کا رفاعی صوفیہ کے ہاں بڑا بلند مقام تھا جس کی بنا پر انہیں مصر میں رفاعی طریقے کو پھیلانے کے لئے بھیجا گیا۔ شیخ واسطی ۶۲۰ھ میں اسکندریہ پہنچے، وہ ایک مدت وہاں مقیم رہے جس کے دوران وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے اور انہیں رفاعی طریقے کی دعوت دیتے۔ موصوف اسکندریہ کی مسجد عطارین میں درس دیا کرتے تھے۔ اُن کے اور اسکندریہ کے علماء اور فقہاء کے درمیان بہت سے علمی مناظرے اور مجادلے ہوئے، اُن کا اسکندریہ میں ۶۳۲ھ میں انتقال ہوا، اور اُن کا مزار اب بھی ابوالدرداء کے مزار کے پاس موجود ہے۔

جب شیخ ابوالفتح واسطی کا اسکندریہ میں انتقال ہوا، تو عراق کے رفاعیوں کو اس کا بڑا قلق ہوا چنانچہ انہوں نے ایک اور قطب کو جو اس وقت اُن کے ہاں مقیم تھا، اس مقصد کے لئے منتخب کیا اور اُسے مصر بھیجا تاکہ وہ وہاں رفاعی صوفیہ کا سربراہ بنے۔ بعد میں اس قطب کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور اس نے خود اپنا ایک طریقہ جاری کیا۔ یہ قطب کبیر سیدی احمد بدوی ہیں، جنہیں صوفیاء رفاعیہ نے ۶۳۵ھ میں عراق سے مصر بھیجا تھا کہ وہ رفاعی طریقے کے متبعین کے امور کی نگرانی کریں سیدی احمد بدری ۵۹۶ھ ۱۱۹۹ء میں مغربِ اقصیٰ میں پیدا ہوئے اور مصر کے شہر طنطا میں ۶۷۵ھ ۱۲۷۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

یہ ہی عظیم عالم شیخ ابوالفتح واسطی، جن سے شیخ شاذلی عراق کے دوران قیام میں

---

[1] احمد الرفاعی ایک مشہور صوفی تھے۔ وہ عراق کے علاقے واسط کے ایک گاؤں حسن میں پیدا ہوئے۔ ان کی قبر اُم عبیدہ گاؤں میں ہے جہاں بڑی کثرت سے لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔ وہ ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۵۷۸ھ ۱۱۸۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ملے اور ان سے استفادہ کیا۔ موصوف بتاتے ہیں کہ عراق میں ان سے بڑے کسی اور عالم سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں، "میں عراق پہنچا اور بہت سے مشائخ سے ملا، مجھے شیخ ابوالفتح الواسطی سے کوئی بہتر نہیں ملا"۔

مشرق کے مختلف شہروں کی سیاحت کے دوران شیخ شاذلی کی سرگرمیاں صرف طلبِ علم تک محدود نہ تھیں، بلکہ انہیں اپنی متاع گم گشتہ کی تلاش تھی۔ وہ قطب کی تلاش میں تھے۔ "قطب کون ہوتا ہے" اس بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال و آراء ہیں۔ صوفیہ میں سے جس نے سب سے پہلے قطب کے متعلق کچھ کہا ہے وہ ذوالنون مصری ہیں۔ صوفیہ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں بہت سے قطب ہوتے ہیں۔ اور ان قطبوں میں سے ایک خاص قطب سب کا سربراہ ہوتا ہے، جسے قطب غوث کہا جاتا ہے۔ یہ امر خود شیخ شاذلی کی ایک گفت گو سے جو انہوں نے اپنے ایک مرید شمس الدین بن کیتلہ سے کی، واضح ہوتا ہے"۔

ابن کیتلہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے مرشد شیخ شاذلی کی خدمت میں حاضر تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اُن سے قطب کے بارے میں پوچھوں۔ میں نے ان سے کہا۔ میرے آقا قطب کے کیا معنٰی ہیں؟ شیخ شاذلی نے فرمایا۔ قطب بہت سے ہیں، ہر گروہ میں جو صوفی مقدم ہوتا ہے وہ اس گروہ کا قطب ہے۔ باقی رہا قطب غوث۔ جو فرد جامع ہو، وہ ایک ہی ہوتا ہے۔

کتاب المفاخر کے مصنف نے قطب غوث کی تعریف یوں کی ہے :۔ وہ رجل عظیم اور سید کریم ہوتا ہے۔ مبہم علوم اور اسرار میں سے جو پوشیدہ باتیں ہوتی ہیں، ان کی وضاحت کے لئے جب لوگ پریشان ہوتے ہیں، تو وہ اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس سے لوگ دعا کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے یعنی اُس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کوئی قطب اس وقت تک قطب نہیں ہوتا جب تک کہ اُس میں اُن قطبوں کی جن کا وہ سربراہ ہو تمام کی تمام صفات جمع نہ ہوں۔

دراصل شیخ شاذلی ان اوصاف کے حامل قطب کو اپنی مشرق کی سیاحت کے

دوران ڈھونڈ رہے تھے۔ جب ان کو اپنے مرشد ابوالفتح واسطی کے متعلق اطمینان ہوگیا تو انہوں نے ان سے اپنے دل کی بات کہی اور اپنی آرزو اُن سے بیان کی۔ شیخ واسطی نے انہیں بتایا کہ قطب خود اُن کے وطن مغرب میں ہے۔ اور اگر وہ واقعی اُسے ہی ڈھونڈ رہا ہے تو اُسے واپس مغرب جانا چاہیئے۔ شیخ شاذلی نے اپنے مرشد کی نصیحت سنی اور وہ واپس مغرب روانہ ہوگئے۔

وہ برابر سفر کرتے اور ڈھونڈتے رہے یہاں تک کہ اُن کو قطب مل گیا یہی اُن کے مرشد اور استاد رہبر تھے۔ اُن سے ہی شیخ شاذلی نے طریقہ لیا اُن کے ہاتھوں سے خرقۂ تصوف پہنا۔ اور اُن کی طرف وہ منسوب ہوئے۔ اور وہ تھے شیخ عبدالسلام بن مشیش [1]

شیخ شاذلی شیخ ابوالفتح واسطی سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ میں قطب کی تلاش میں تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ اے علی! تمام عراق میں قطب تلاش کرتے ہو اور وہ بلادِ مغرب میں ہے، مغرب کو واپس جاؤ اور تم وہاں اسے پاؤ گے۔ پس میں مغرب کو لوٹ آیا اور میں اپنے مرشد عبدالسلام مشیش سے ملا"

کافی سفر و سیاحت کے بعد شیخ شاذلی قطب سیدی عبدالسلام بن مشیش تک پہنچے۔ اُن سے شیخ شاذلی کی پہلی ملاقات ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہوئی، جہاں وہ عبادت کے لیے مقیم تھے۔ شیخ شاذلی اپنی اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔ جب میں ان کے پاس آیا اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر اپنی خانقاہ میں مقیم تھے۔ میں نے غسل کیا اور جو علم میرے پاس تھا اس سے خالی ہوگیا۔ اور اس حالت میں اُن کی طرف روانہ ہوا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میری طرف بڑھے آرہے ہیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو

---

[1] عبدالسلام بن مشیش۔ وہ مغرب کے بہت بڑے صوفی تھے۔ اُن کا انتقال ۶۲۶ھ۔ ۱۲۲۸ء میں ہوا۔ وہ وزان کے قریب جبل العلم میں دفن کئے گئے۔ لندن میں ان کی کتاب کا مخطوطہ "اعانۃ الراغبین فی الصلوٰۃ" ہے۔

فرمایا مرحبا اے علی بن عبداللہ بن عبدالجبار۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے نسبی تعلق کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا، اے علی! تم ہمارے پاس اپنے علم اور عمل کو پیچھے چھوڑ کر خالی آئے ہو۔ تم نے ہم سے دنیا اور آخرت کا علم لے لیا۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ میں چند روز ان کے پاس رہا یہاں تک کہ اللہ نے میری چشم بصیرت کھول دی اور میں نے اُن کی کرامات اور خوارق دیکھے۔"

اب شیخ شاذلی کے دل کو قرار آگیا کیونکہ ان کی قطب غوث سے ملاقات ہو گئی تھی۔ قطب نے اول لحظہ ہی میں قطبیت کی نشانی بتا دی تھی۔ انہوں نے شیخ شاذلی کو اُن کے پورے نام اور نسب کے ساتھ پکارا تھا، اور انہیں دنیا اور آخرت کے علوم تلقین کرنے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اسی لمحے سے شیخ شاذلی اپنے مرشد کی خدمت میں رہ پڑے۔ اُن سے اخذ علم و معرفت کرنے لگے اور ان کے شاگرد ہو گئے۔

شیخ شاذلی نے اپنے مرشد شیخ ابن مشیش سے اللہ کی محبت اور اس محبت میں فنا ہوتا لیا۔ اور ان کا یہ قول ہے: "حالتِ سکر اور حالت صحو ہر دو میں جام محبت برابر پیتے رہو، عیب بھی، ہوش میں آؤ یا جاگو، پیو۔ یہاں تک کہ برابر حالت سکر رہے اور اس کے جمال میں غرق ہو کر محبت، شراب اور جام تک کو بھول جاؤ اور تم پر اُس کے جمال کا نُور اور اس کے کمال و جلال کا تقدس ظاہر ہو جائے۔"

شیخ شاذلی نے اپنے مرشد ابن مشیش سے ایمان، اللہ کا قوی اور کُلّی ایمان اخذ کیا یہاں تک کہ وہ ہر چیز میں اللہ کو پانے لگے، وہ کہتے ہیں: "ایمان کی نظر سے دیکھو تو اللہ کو ہر چیز کے اندر، ہر چیز کے پاس، ہر چیز کے ساتھ، ہر چیز سے قبل، ہر چیز کے بعد ہر چیز کے اوپر، ہر چیز کے نیچے، ہر چیز کے قریب اور ہر چیز کو محیط پاؤ گے۔ اس کے الاوّل والآخر والظاہر والباطن کے وصف سے کُل کو مٹا دو، اور وہ ھُو ھُو ھُو ہے۔ اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ اور وہ اس وقت ایسا ہی ہے جیسا تھا۔

شیخ ابن مشیش نے اپنے مرید شیخ شاذلی کو تلقین کی کہ وہ مخلوق سے اعراض کرے اور اکیلے اللہ کی پناہ ڈھونڈے۔ شیخ شاذلی کا بیان ہے کہ سیاحت کرتے ہوئے وہ

ایک مرتبہ ایک غار کے پاس پہنچے تاکہ وہاں رات گزاریں۔ انہوں نے ایک آدمی کو باتیں کرتے سنا۔ اُنہیں تعجب ہوا کہ ایسی الگ تھلگ جگہ میں ایک آدمی کیسے موجود ہے۔ انہوں نے ایسے آدمی کو جو رات کو باتیں کر رہا ہے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور غار کے اوپر ہی رات گزار دی۔ جب صبح ہوئی اور شیخ ابوالحسن شاذلی جاگے تو انہوں نے اس آدمی کو اپنے رب کو یوں پکارتے سنا۔ "اے رب! ایسے لوگ بھی ہیں جو تم سے چاہتے ہیں کہ مخلوق ان کی طرف متوجہ ہو اور وہ اُسے مسخر کریں، اور اے رب! میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھ سے اعراض کرے اور میرے ساتھ کجی اختیار کرے تاکہ تیرے سوا کوئی اور میری پناہ نہ ہو"

شیخ شاذلی کہتے ہیں: "اس کے بعد وہ شخص غار سے نکلا تو کیا دیکھتا ہوں وہ میرے مرشد شیخ ابن مشیش ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ کل رات میں نے آپ کو یہ باتیں کہتے سنا ہے۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے۔ اے علیؓ! تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ تو اپنے اللہ سے یہ کہے کہ "اپنی مخلوق کے دل میرے لئے مسخر کر دے" تو یہ کہہ "اے رب تو میرے لئے ہو جا" جب تمہارا رب تمہارے لئے ہو جائے گا تو ہر چیز تمہارے لئے ہو جائے گی"

یہ تھے وہ روحانی اُصول بنیادی جو ایک بندے سے چاہتے تھے کہ وہ اللہ کی محبت پر پوری توجہ کرے اور اس محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دے، جن کی فضا میں شیخ ابوالحسن شاذلی نے اپنے مرشد ابن مشیش سے تربیت پائی۔ شیخ شاذلی کہتے ہیں، "میں نے اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے محققین کے ورد کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہوا و ہوس کو ترک کرو اور مولا کی صحبت اختیار کرو۔ محبت کی نشانی یہ ہے کہ مُحب اپنے محبوب کے سوا کسی اور سے سروکار نہ رکھے"

شیخ شاذلی اپنے مرشد کی صحبت میں ہمہ تن عبادت میں لگ گئے۔ اور اس طرح انہوں نے دنیا کی محبت اور مخلوق کی طرف توجہ سے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ وہ پوری طرح اللہ کی محبت کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کی محبت میں فنا ہو گئے۔ جب انہیں

صفائی نفس حاصل ہوگئی اور وہ ولایت اور وراثتِ قطبیت کے اہل بن گئے تو اُن کے مُرشد نے انہیں فاس سے ٹیونس جانے کا حکم دیا اور مستقبل میں اُن سے کیا ظہور ہوگا اس سے اُنہیں آگاہ کیا۔ مُرشد نے اُن سے کہا:۔ افریقہ کی طرف جاؤ، وہاں ایک شہر شاذلہ ہے اس میں سکونت اختیار کرو۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں شاذلی کے نام سے موسوم کرے گا۔ اس کے بعد تم ٹیونس شہر میں منتقل ہونا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی نے فاس کو خیرباد کہا اور اپنے مرشد کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے ٹیونس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ اس شہر میں داخل ہونے لگے تو انہیں اہل شاذلہ میں سے ایک فقیر لکڑہارا ابوالحسن علی الابرقی ملا۔ شاذلہ ٹیونس شہر کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔ شیخ شاذلی اس لکڑہارے کے ساتھ ہو گئے۔ اور دونوں شاذلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں علی الابرقی نے شیخ شاذلی کے زہد اور تقوٰی کی بہت سی نشانیاں دیکھیں۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہؤا۔ اُن کے ہاتھ چومے اور اُن سے اپنے حق میں دُعا کرنے کو کہا۔ روایت ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلی کی برکت سے وہ شخص مالدار ہوگیا۔

شیخ ابوالحسن شاذلہ گاؤں کے ایک حصّے میں اُترے۔ اور سب سے پہلے انہیں ایک مردِ صالح ابومحمد عبداللہ بن سلامہ جیبی ملے۔ جو اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اور وہ ایک مدت سے اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ جیبی نے اُن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔ "میں ٹیونس میں سیدنا شیخ عارف ابوحفص جاسوس کی مجلس میں حاضر ہؤا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اُن کا ہاتھ پکڑا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنا مرید بنانا منظور کریں۔ میں نے اُن سے کہا۔ اے میرے آقا میں آپ کو اپنا مرشد بنانا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا۔ اے میرے بیٹے، اپنے مرشد کا انتظار کر یہاں تک کہ وہ مغرب سے آئے۔ وہ آنے والا سید حسنی بڑے اولیا ریں سے ہوگا، وہی تیرا مرشد ہے اور تو اُس کی طرف منسوب ہوگا۔ پس جو بھی اہل مغرب میں سے فقرا آتے، میں اُن کا خیال رکھتا اور اُن کی صحبت اختیار کرتا۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے

شیخ ابوالحسن کی ملاقات میسّر آئی - چنانچہ میں نے اُن کو اپنا مُرشد بنالیا اور اُن کی صحبت اختیار کی -

شیخ ابوالحسن نے شاذلہ میں اپنے مرشد ابن مشیش کے دستور کو اپنایا، انہوں نے گاؤں میں سکونت اختیار نہیں کی - بلکہ شاذلہ کے قریب ایک پہاڑ زغوان کے غار کو جس کے دامن میں یہ گاؤں آباد تھا، اپنا مسکن بنایا - یہ غار اُن کی خانقاہ تھی جہاں وہ رہتے اور عبادت کرتے تھے - اس غار میں شیخ شاذلی کی زندگی سرتاپا زہد و تقشف اور حد سے زیادہ عبادت کی تھی - اور اس زندگی میں اکثر اوقات اُن کے نئے مرید حبیبی ان کے ساتھ ہوتے -

شیخ ابوالحسن کافی عرصہ شاذلہ میں رہے - اور اس دوران اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی - لوگوں نے اُن کی فضیلت اور اُن کا صلاح و تقوٰی دیکھا، اور اُن کی ولایت کے قائل ہوگئے - غرض جہاں تک اُن کے مُرشد شیخ ابن مشیش کی پیشین گوئی کے پہلے جزو کا تعلق تھا، وہ عمل میں آگئی - اُس وقت سے ہی وہ شاذلی کے لقب سے معروف ہوئے - اُن کی شہرت پھیلی اور دُور دور سے اُن کے پاس لوگ آنے لگے - کبھی کبھی وہ اپنی خانقاہ سے چل کر ٹیونس شہر میں آتے - وہاں ایک مکان میں ٹھہرتے، درس دیتے، وعظ کہتے - اور اس طرح اُن کی دعوت اور طریقے کی اُن کے مریدوں اور شاگردوں میں نشر و اشاعت ہوتی -

شیخ ابوالحسن کے لئے ٹیونس کوئی اجنبی جگہ نہ تھی - وہ اس سے پہلے جب کہ وہ بچے ہی تھے، ٹیونس آئے تھے اور یہیں جوان ہوئے تھے - یہیں اُنہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی - اور بعد میں یہیں ان کے یہاں کے علماء اور فقہاء سے مناظرے ہوئے اِس دفعہ جو وہ ٹیونس آئے تو پورے مرد اور وافر علم رکھنے والے عالم اور صاحب حالات و کرامات صوفی تھے، اس لئے یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ ہر طرف سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں - ان سے علم حاصل کریں - ان سے آداب سیکھیں - ان کے درس، وعظ اور ارشادات سنیں اور اُن سے دُعا اور برکت چاہیں - چنانچہ اُن کا حلقۂ درس

بڑا وسیع ہو گیا اور ان کے متبعین اور مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ جب وہ درس دینے یا وعظ کہنے بیٹھتے تو اُن کے اردگرد بہت سے آدمی جمع ہوتے اور جب وہ چلتے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تو ان کی جلو میں سینکڑوں آدمی ہوتے۔

المنادی "الکواکب الدریۃ" میں لکھتے ہیں: "شیخ ابوالحسن جب سوار ہوتے تو بڑے بڑے فقرا اور دنیا والے ان کے اردگرد ہوتے۔ اُن کے سر پر جھنڈے بلند کئے جاتے اور ان کے آگے آگے پیالے بجائے جاتے۔"

شیخ شاذلی کی طرف لوگوں کے اس رجوع سے ٹیونس کے علماء اور فقہاء کا بغض و حسد بھڑک اٹھا۔ اور شیخ موصوف کو اس کی وجہ سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن دنوں ٹیونس شہر کا قاضی اور عالم ابوالقاسم ابن البتراء تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس سے تو دُور بھاگتے ہیں اور شیخ شاذلی جہاں بھی جاتے ہیں اُن کے اردگرد حلقہ بنائے رہتے ہیں، تو اس سے اُسے بڑی تکلیف ہوئی۔ شیخ شاذلی جب ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تو ان کے لئے جم غفیر کے جلوس ہوتے ہیں جن میں آگے آگے جھنڈے اور طبل ہوتے ہیں تو یہ چیز اُسے سخت اذیت دیتی۔

قاضی ابوالقاسم نے شیخ ابوالحسن شاذلی کے خلاف چالیں چلنی شروع کیں۔ اُس نے شیخ کے خلاف ٹیونس کے سلطان ابوزکریا الحفصی سے شکایت کی۔ اور یہ الزام لگایا کہ وہ حسنی علوی ہونے کی بناء پر اپنے لئے اقتدار چاہتے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے فاطمیوں نے خود ٹیونس پر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ قاضی ابوالقاسم نے صرف اسی خطرناک تہمت پر اکتفا نہ کیا، بلکہ اس نے شیخ ابوالحسن شاذلی پر ایک اور تہمت بھی لگائی جو اس سے کم خطرناک نہ تھی۔ اور یہ تہمت تھی زندیقی، الحاد اور خراج از دین کی۔ اس سے قاضی ابوالقاسم کی غرض یہ تھی کہ جس طرح اس نے سلطان ٹیونس کو شیخ شاذلی کے خلاف اُکسایا ہے، اسی طرح وہ ٹیونس کے علماء اور فقہاء کو بھی ان کے خلاف اُکسائے۔

درۃ الاسرار کے مصنف لکھتے ہیں: "قاضی ابوالقاسم ابن البراء سلطان ابوزکریا کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ یہ شخص اہل شاذلہ میں سے ہے، گدھوں کا چور ہے اور

بزرگ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے پاس ایک بڑی مخلوق جمع ہوگئی ہے، یہ فاطمی ہونے کا مدعی ہے، اور تیرے خلاف شورش کر رہا ہے۔

قاضی نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور اس نے شیخ شاذلی پر جو تہمت لگائی تھی وہ بڑی خطرناک تھی۔ اس سے پہلے اسی ٹیونس میں عبید اللہ مھدی نے فاطمی خلافت قائم کرلی تھی۔ شیعوں کا تو یہ عقیدہ بھی ہے کہ ایک مھدی آنے والا ہے، اور جب سے فاطمی خلافت ختم ہوئی ہے، وہ اسے دوبارہ قائم کرنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ اب شیخ ابوالحسن شاذلی حضرت حسن بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ہیں، اور لوگ ان کا فاطمی ہونا مانتے ہیں۔ قاضی نے کہا کہ شیخ شاذلی کو جو قطب کہا جاتا ہے، تو یہ محض ایک پردہ ہے۔ اس کے معنیٰ دراصل فاطمی امام اور مھدی کے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیخ شاذلی نہ تو سیاست سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ وہ حکومت اور اقتدار کا سوچتے تھے۔ بلکہ ان کے عقائد بھی شیعوں کے نہ تھے۔ جب ان سے ان کے مرشد کے بارے میں پوچھا جاتا، تو وہ یہ جواب دیا کرتے تھے۔

"اس سے پہلے تو عبدالسلام بن مشیش تھے۔ باقی اب میں دس دریاؤں سے سیراب ہوتا ہوں۔ ان میں سے پانچ تو انسانی ہیں اور پانچ آسمانی۔ پانچ انسانی دریا یہ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔"

بہرحال سلطان ابوزکریا نے قاضی ابوالقاسم کی بات فوراً مان نہیں لی، وہ ایک دانش مند اور عادل حکمران تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ایک اجتماع منعقد کیا جائے جس میں شیخ ابوالحسن شاذلی اور علماء و فقہاء جمع ہوں اور شیخ شاذلی سے سوال جواب ہو، اور انہیں موقع دیا جائے کہ وہ اپنی صفائی پیش کریں۔

غرض یہ اجتماع منعقد ہوا۔ اور اس میں سلطان پردے کے پیچھے بیٹھا۔ "درۃ الاسرار" کا مصنف لکھتا ہے: "قاضی ابوالقاسم ابن البراء اور فقہاء کی ایک جماعت جمع ہوئی۔ سلطان پردے کے پیچھے بیٹھا اور شیخ رضی اللہ عنہ آئے۔ فقہائے ان سے ان کے نسب

کے بارے میں بار بار پوچھا۔ شیخ نے اس کا جواب دیا، اور سلطان پردے کے پیچھے بیٹھا سن رہا تھا۔ انہوں نے شیخ سے تمام علوم کے بارے میں گفت گو کی۔ شیخ نے ان علوم کے متعلق اس طرح گفتگو کی کہ انہیں چپ کرا دیا۔ وہ شیخ سے وہبی علوم کے بارے میں تو بات کر نہیں سکتے تھے۔ شیخ اُن سے اکتسابی علوم کے متعلق گفت گو کرتے رہے۔

شیخ شاذلی نے قاضی اور اس کے ساتھیوں کا منہ بند کر دیا۔ شیخ کا پلّہ بھاری رہا اور سلطان کو نہ صرف شیخ کی بے گناہی کا یقین آ گیا، بلکہ وہ اُن کی ولایت کا قائل ہو گیا۔ اُس نے قاضی اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "یہ شخص اولیائے کبار میں سے ہے اور تم اُس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

قاضی ابوالقاسم ابن البراء نے محسوس کیا کہ صورت حال نازک ہے کیونکہ باہر اہل ٹیونس سب کے سب جمع تھے، اور مقدمے کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ قاضی نے سلطان کو شیخ شاذلی کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا کہ اگر آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا تو لوگ جو باہر جمع ہیں، آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ لیکن سلطان نے قاضی کی اس بات پر بھی کان نہ دھرا۔ اُس نے سب کو چلے جانے کا حکم دیا اور شیخ کو ٹھہرا لیا۔ اور اُن سے کچھ عرصہ بڑی اچھی طرح باتیں کرتا رہا۔ اس اثنا میں سلطان کا بھائی ابو عبداللہ طیانی آ گیا، جو شیخ شاذلی کا عقیدت مند تھا۔ سلطان نے اُسے حکم دیا کہ وہ شیخ کو عزت و اکرام کے ساتھ اُن کو گھر پہنچا آئے۔

شیخ ابوالحسن شاذلی اس امتحان سے تو کامیاب نکل آئے، لیکن وہ محسوس کرنے لگے کہ ٹیونس میں اُن کا اب رہنا اچھا نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ قاضی ابوالقاسم کو ان کے مقابلے میں جو شکست ہوئی ہے وہ اسے آسانی سے قبول نہیں کرے گا۔ اور وہ ضرور کوئی اور چال چلے گا۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے متبعین اور قاضی کے ساتھیوں کے درمیان کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ وہ تو صوفی ہیں اور امن سکون اور پُرصفا زندگی چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ٹیونس چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ وہ سفر کے لئے تدبیریں

کرنے لگے۔ سلطان نے جب یہ سُنا تو اُسے دُکھ ہوا اور جو شخص یہ خبر لے کر آیا سلطان نے اس سے کہا۔ میں اپنے ملک میں یہ کیا خبر سن رہا ہوں، ایک ولی اللہ ہمارے ہاں آئے وہ یہاں تنگ آگئے اور اب یہاں سے جا رہے ہیں۔

سلطان نے ایک آدمی کو شیخ کے پاس بھیجا، جو انہیں اس سفر کے ارادے سے روکے لیکن شیخ نے بڑے اچھے طریقے سے معذرت کی اور سلطان کے پیغام بر کو کہا۔ میں حج کی نیت سے جا رہا ہوں۔ خدا نے یہ پورا کر دیا تو میں انشاء اللہ تعالیٰ واپس آؤں گا۔

حج کے بعد واپس آنے کا وعدہ لے کر سلطان نے شیخ شاذلی کو سفر کی اجازت دی۔ ٹیونس سے روانہ ہونے سے قبل شیخ شاذلی نے قاضی ابوالقاسم کو ایک خط بھیجا، جس میں صرف ایک جملہ تھا اور اُس میں قاضی، اس کی حرص و طمع اور اس کی نفرت و کینہ پر چوٹ تھی۔ شیخ نے اُسے لکھا۔ میں تمہارے لئے ٹیونس شہر خالی کر رہا ہوں۔

سلطان کے دربار میں قاضی کو جو شکست ہوئی تھی، اس کی بنا پر اس کا دل شیخ کے خلاف کینے سے بھرا ہوا تھا، اس نے شیخ کے خلاف ایک اور سازش کی۔ اُس نے سلطانِ مصر کو ایک خط لکھا، جس پر دوسرے لوگوں کے بھی دستخط تھے۔ اس خط میں شیخ کا ذکر کرتے ہوئے ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ علوی خاندان کے ہونے کی بنا پر فاطمی خلافت کی بحالی میں کوشاں ہیں۔ خط کے آخر میں یہ الفاظ تھے ۔۔ یہ جو آپ کے ہاں پہنچ رہا ہے جس طرح اس نے ہمارے ہاں شورش کی تھی، اسی طرح تمہارے ملک میں شورش برپا کرے گا۔

قاضی کا یہ خط لے کر ایک شخص بڑی سرعت سے شیخ کے مصر پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اُس وقت مصر کا فرمانروا ایوبی خاندان کا بادشاہ الکامل تھا۔ ایوبی سنی المذہب تھے اور انہوں ہی نے مصر سے شیعی مذہب اور فاطمی خلافت ختم کی تھی، اور وہ شیعوں کی سرگرمیوں سے جو فاطمی خلافت کو واپس لانے کے لئے کی جا رہی تھیں، بہت ڈرتے تھے۔ لہٰذا جب یہ خط سلطان الکامل کے پاس پہنچا تو اس نے اس پر بہت دھیان دیا چنانچہ

جیسے ہی شیخ شاذلی اسکندریہ پہنچے، مصری حکومت کے کارندوں نے انہیں گرفتار کرلیا۔ اور حراست میں انہیں قاہرہ بھیجا۔ جونہی وہ قاہرہ پہنچے، انہیں قلعے میں لے جایا گیا۔ جہاں قاضیوں، علماء اور فقہاء کی ایک مجلس منعقد کی گئی۔ سلطان نے شیخ شاذلی پر الزام لگاتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے خلاف شہادت ہے۔ جو ٹیونس سے قاضی ابن البرّاء ابوالقاسم نے فراہم کی ہے۔ اس کے بعد سلطان نے شیخ کو وہ خط دکھایا۔

یہ شیخ شاذلی پر دوسرا مقدمہ تھا۔ شیخ نے جب اپنی صفائی میں تقریر کی، تو سب لوگ ان کی باتوں سے مبہوت ہو کر رہ گئے، اور سب سے زیادہ اثر سلطان پر ہوا۔ سلطان ایک عالم، تہذیب یافتہ اور وسیع الخیال آدمی تھا۔ اُس نے شیخ کا مقام پہچانا اور سمجھ گیا کہ اُن کے خلاف غرضمندوں نے تہمت لگائی ہے۔ اُس نے شیخ میں کوئی خطرناک بات نہ پائی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ شیخ کا ارادہ مصر میں ٹھہرنے کا تو ہے نہیں، وہ تو حج کو جاتے ہوئے مصر سے گزر رہے ہیں۔ سلطان نے اُن کی عزت و احترام کی۔ اس سلسلے میں شیخ ابوالحسن کہتے ہیں "ہم سلطان الکامل کے ہاں قلعہ میں چند دن ٹھہرے، بلاد سفر سے ہم پر خوشی کا اظہار کیا۔ بعد میں ہم حج کو روانہ ہو گئے"

فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد شیخ بسرعت تمام ٹیونس واپس پہنچ گئے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ شیخ نے وہ سب کچھ بھلا دیا جو قاضی ابوالقاسم ابن البراء نے اُن کے ساتھ کیا، اور سلطان ٹیونس اور بعد ازاں سلطان مصر سے ان کے خلاف شکایت کی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قاضی ابن البرّاء ابھی زندہ تھا اور ٹیونس کا بدستور قاضی تھا۔

بیشک شیخ کو یہ باتیں بھولی نہ تھیں، لیکن سلطان سے انہوں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کے لئے واپس ٹیونس پہنچے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم ایک اور مقصد تھا جس کی خاطر وہ واپس ٹیونس آئے تھے۔ وہ اس لئے ٹیونس واپس آئے تاکہ اپنے مرید، اپنے دلی رفیق اور اپنے خلیفہ ابوالعباس المرسی سے ملیں۔ شیخ ابوالحسن شاذلی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

"مجھے ٹیونس واپس لانے والا یہ نوجوان، یعنی ابوالعباس المرسی ہے"

(ترجمہ از عربی)